رجسٹرڈ انگلیشیہ نمبر (۱)

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ہے
سہ ماہی ...... عــہ

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۷۸)

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ہے
سہ ماہی ...... عــہ

قیمت فی پرچہ (۲ر)

جلد ۳ | ۲۴ امہر ۱۳۵۲ ف | ۱۹ شعبان ۱۳۶۲ھ | ۲۱ اگست ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۱۹)

جنگ کے بعد کیا ہوگا؟

ہندوستان کے مابعد جنگ معاشی مسائل

از

جناب انیس الرحمن صاحب ایڈیٹر "نئی زندگی"

موجودہ جنگ اب تقریباً ساری دنیا میں پھیل چکی ہے اور غالباً اس وقت کسی ایسے ملک کا نام نہیں لیا جا سکتا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جنگ میں شریک نہ ہو۔ اس بھیانک اور طویل جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا وہ فی الحال پیشین گوئی مشکل ہے لیکن اتنی بات سبھی جانتے ہیں کہ جنگ کے بعد یہ دنیا بدل جائے گی اور یہ نا چیز کر نیا چولا پہنے گی۔ یہ نیا چولا کس طرح کا ہوگا اور اس کی تراش و خراش کیسی ہوگی اس کا اندازہ سردست مشکل ہے کیونکہ یہ نظریوں کی جنگ ہے اور جو فریق فتحیاب ہوگا اس کا نظریہ کامیاب بھی ہو جائے گا اور اسی کے ماتحت ایک نئے نظام کی تشکیل عمل میں آئے گی۔

بہرحال دنیا میں ایک نیا نظام قائم ہو کر رہے گا اور موجودہ صورت حال بدل کر رہے گی۔ یورپ میں ہر ہٹلر نے یکسر نئے نظام کا اعلان کر دیا ہے اور جن ممالک پر نازیوں کو کامیابی نصیب ہوئی ہے ان میں اس نئے نظام کو برسر کار لایا گیا ہے۔ اسی طرح ایشیا میں بھی جاپان ایک نئے نظام کے لئے جدوجہد کر رہا ہے جو فیسٹ نظام سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن موجودہ جنگ شروع ہونے سے کہیں قبل دنیا کے ایک ملک میں ایک "نیا نظام" قائم ہو چکا ہے جو حقیقتاً ایک نیا نظام کہلانے کا مستحق ہے اور جو اب تک بڑی کامیابی سے چل رہا ہے یعنی سویٹ روس کے سوشلسٹ نظام سے۔ جمہوریت کے دو بڑے کھیا یعنی صدر روزویلٹ اور وزیر اعظم چرچل نے بھی متحدہ طور پر دنیا کو ایک نئے نظام کی منادی دی ہے جو اٹلانٹک چارٹر منشور اوقیانوس کے نام سے مشہور ہے۔ فرض کو اس امر پر تو تمام برسرپیکار ممالک متفق ہیں کہ سیاسی دنیا کا نقشہ بدلے گا اور ایک عظیم الشان انقلاب آکر رہے گا۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ انقلاب ہر ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ غیر محسوس طور پر اس وقت بھی کارفرما ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

ان ممالک میں جو براہ راست جنگ میں شریک ہیں اور جن میں ہندوستان کو بھی امرضی سے یا بغیر مرضی شامل سمجھنا چاہئے ایک نہایت وسیع پیمانہ پر یہ خاموش انقلاب اس وقت بھی جاری ہے۔ ان ممالک کی خام اشیاء پیداوار کے وسائل، قیمتوں کا مقرر کرنا اور سپلائی وغیرہ یہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ حکومت کے ہاتھوں میں چلی جا رہی ہیں یہاں تک کہ ان ممالک کا ہر شخص اور اس کی جان حکومت کے قبضۂ قدرت میں آ گئی ہے۔

انفرادی ملکیت کا حق رفتہ رفتہ معدوم ہو رہا ہے اور اس کی جگہ اسٹیٹ کی ملکیت لے رہی ہے۔ حکومت جس سرزمین یا جس مل کارخانے یا مکان کو چاہے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کر سکتی ہے اور استعمال کر سکتی ہے یعنی اسٹیٹ کے مفاد اب افراد کے مفاد پر غالب آگئے ہیں۔ مل کارخانے یا کھیتی باڑی اب کارخانہ داروں یا کسانوں کی مرضی پر نہیں چلتی بلکہ اسے حکومت کی ضروریات اور اس کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق چلانا پڑتا ہے۔ اسی طرح تمام پیداوار کی قیمتوں کا تعین اور اس کا کنٹرول بھی مرکزی ادارہ کرتا ہے۔ یہ قیمتیں پیداوار کی لاگت کو دیکھ کر مقرر نہیں کی جاتیں بلکہ ساری جنگ کی سہولتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض اشیاء جن کی قیمت حکومت براہ راست خود مقرر نہیں کرتی ان کے لین دین اور تبادلہ پر بھی اس نے بہتیری پابندیاں عاید کر دی ہیں۔ اس طرح تمام قسم کی خام پیداوار اور ہر طرح کے تیار شدہ مال بھی چیزوں کی نگرانی حکومت نے خود اپنے ذمہ لے لی ہے۔

انسان کی بنیادی ضروریات مثلاً چاول گیہوں کروسن تیل چینی وغیرہ پر براہ راست حکومت کا قبضہ ہے اور یہ اشیاء ہر شخص کو ایک مقررہ مقدار ہی میں مل سکتی ہیں۔ چونکہ ہمارے ملک کے سرمایہ دار جو (غلط طور پر) یہ کہا کرتے تھے کہ روس کے ہر شہر میں حکومت کی طرف سے ایک لنگر خانہ ہے اور ہر شخص کو ٹکٹ کے ذریعے کھانا ملتا ہے وہ اصول نے اس غیر اشتراکی اور سرمایہ دار نظام ہی کے دور میں دیکھ لیا۔

اشیاء کی نقل و حرکت کو کم کرنے کے لئے ریلوے نے وہ تدابیر اختیار کی ہیں اور غیر جنگی مال پر اس قدر پابندیاں عاید کر دی ہیں کہ کبھی بیوپار بالکل دم توڑ رہا ہے اور مسافروں کو روکنے کے لئے اگرچہ کوئی قانون تو بنایا نہ جا سکا لیکن سفر میں اس قدر مشکلات پیدا ہو گئی ہیں کہ اب سفر اختیار کرنا جہاد سے کم نہیں۔ اسی طرح پٹرول پر کنٹرول کے سبب پرائیوٹ موٹروں سے بھی نقل و حرکت ناممکن ہو گئی ہے۔

اسٹیٹ کا جس قدر کنٹرول سرمایہ پر ہے اسی قدر

بقیہ صفحہ (۹) پر

ہفتہ وار
مملکت
جلد ۳ | ۲۴ اردی بہشت ۱۳۵۷ف | نمبر ۱۹

نواب صدر اعظم بہادر کی فوری توجہ کا مسئلہ

مرکزی اسمبلی میں مسئلہ اغذیہ سے متعلق جو طویل مباحث ہوئے ہیں ان کا بہ غور مطالعہ کرنے کے بعد اس مسئلہ سے متعلق ہماری تشویش میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ مرکزی اسمبلی کے ان مباحث سے متعلق دارالعوام میں مسٹر ایمری وزیر ہند نے جو بیان دیا ہے اور ہندوستان کے مسئلہ اغذیہ کی نسبت اخبار لندن ٹائمز نے جو تبصرہ کیا ہے ان سے مترشح ہوتا ہے کہ ارباب مقتدر بھی اس پیچیدہ اور پریشان کن مسئلہ کا موثر حل دریافت کرنے میں تا حال ناکام رہے ہیں۔ اس واقعہ سے بھی ہم کو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک طرف مرکزی حکومت صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو موجودہ خرابیوں کی ذمہ دار قرار دے رہی ہے تو دوسری طرف یہ امر بھی عیاں ہو رہا ہے کہ صوبائی اور ریاستی حکومتیں حکومت ہند کی غذائی پالیسی یا اس کی فرمائشات کی بہ رضا و رغبت تکمیل کرنے میں اپنے آپ کو قاصر پاتی ہیں۔ اس غذائی بحران کے باوجود حکومت ہند اجناس خوردنی کی برآمد پر قیود عائد کرنے کی اخلاقی جرأت اپنے اندر نہیں پا رہی ہے۔ مختصر یہ کہ مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں یہ امر بے حد غور طلب ہو جاتا ہے کہ حکومت حیدرآباد کی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے اور کیا نہ ہونی چاہیے۔

معاشی ضرورت کے مقابلہ میں سیاسی مصلحت

اغذیہ کا مسئلہ ایک خالص معاشی مسئلہ ہے لیکن یہ ایسا معاشی مسئلہ ہے جس کے حل کرنے میں اگر ذرا بھی غفلت یا کوتاہی ہو جائے تو اس کے سیاسی اثرات جا بجا پائے جانے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے۔ معاشی مسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلے حقائق اور اعداد و شمار کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد ماہرین معاشیات نے جو مسلمہ اور آزمودہ اصول بتلائے ہیں ان کی روشنی میں بالکل دو اور دو چار کی طرح ان مسائل کا حل دریافت کیا جاتا ہے۔ پیچیدگی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ معاشی حقائق کے مقابلہ میں سیاسی مصلحتیں یا وہ وعدے جو معاشی حقائق کو پس پشت ڈال کر کئے گئے تھے صحیح حکمت عملی کے راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ یہی وہ نازک موقع ہوتا ہے جہاں غیر معمولی جرأت لاحق ہوتی ہے اور مقدم و موخر کے مابین فرق کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

حیدرآباد خود مکتفی نہیں

ہمیں آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ہمارے ملک کی غذائی پیداوار کی صحیح مقدار کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی آبادی کو فاقوں سے بچانے کے لئے کونسے اجناس کی کتنی مقدار درکار ہوگی۔ اعداد و شمار بے شک مرتب اور شائع ہوتے ہیں لیکن شاید ارباب مقتدر بھی وثوق کے ساتھ نہیں بتا سکیں گے کہ حد درجہ احتیاط میں رہ کر کن اعداد کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ غذائی پیداوار کے اعتبار سے حیدرآباد خود مکتفی وحدت نہیں ہے۔ پس وقت کی اولین ضرورت یہ ہے کہ غذائی پیداوار کے صحیح اعداد فراہم کر کے شائع کر دئیے جائیں۔ اور اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر اس امر کا بھی کھلا اور غیر مبہم اعلان کر دیا جائے کہ غذائی پیداوار کے اعتبار سے حیدرآباد خود مکتفی وحدت نہیں بلکہ خسارہ میں ہے۔ جب یہ چیز واضح ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ کوئی ہمسایہ حکومت یا مرکزی حکومت ہم سے بیجا توقعات قائم کر کے بالآخر مایوس ہونا پسند نہ کرے گی۔

تلافی کی صورت

اب غور طلب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حیدرآباد کی غذائی پیداوار میں جو خسارہ ہے اس کی تلافی کس طرح کی جائے۔ انصاف پسندی اور دوستی کا یہی تقاضا ہو سکتا ہے کہ گذشتہ چار سال کی طویل مدت میں حکومت حیدرآباد نے اپنی غلطی سے اجناس خوردنی کی جو کثیر مقدار برآمد کی ہے اس کے معاوضہ میں ہمارے موجودہ اور آئندہ خسارہ کی پابجائی کی جائے۔ بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کو نباہنے کی کوشش کی جائے تو پیچیدگیاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اگر حکومت حیدرآباد برآمد اجناس کی پچھلی غلطیوں کو نباہنے کی خاطر مزید برآمد کے وعدے کرے یا غذائی پیداوار کے مبالغہ آمیز اعداد کو نباہنے کی خاطر دوسری حکومتوں سے اجناس خوردنی کی فراہمی کا وعدہ کرے تو ملک میں غذائی بحران سے دوچار ہو گا محتاج بیان نہیں۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ جن اجناس کی پیداوار از اندازہ ضرورت ہو انہیں بھی برآمد نہ کیا جائے مثلاً باجرا۔ لیکن ایسے اجناس کی برآمد بھی بالمعاوضہ ہونی چاہیئے۔ ان اجناس کے معاوضہ میں دوسری اجناس حاصل کرنی چاہیں خواہ وہ گیہوں ہو یا چاول یا مویشیوں کے لئے چارہ وغیرہ۔

ایک کٹھن منزل

مرکزی اسمبلی میں مسئلہ اغذیہ پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ کی شدید اہمیت کے پیش نظر غیر سرکاری ارکان نے کسی قدر صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا کہ افواج کی سربراہی کے لئے ممالک متعلقہ سے فراہمی اجناس کا انتظام کیوں نہیں کیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ فوجی اغراض کے لئے جو جانور ذبح کئے جا رہے ہیں اس کی وجہ سے زرعی مویشیوں کی تعداد گھٹ رہی ہے ان کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں اور نتیجتاً زیادہ غلہ اگانے کی مہم ناکامی سے دوچار ہے۔ مرکزی اسمبلی میں یہ سب کچھ اور اس سے زیادہ بھی کہا گیا۔ لیکن حیدرآباد میں جو اپنے حلیف کی خاطر اپنا نقصان فخر اور مسرت سے برداشت کرتا ہے یہ سب کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس لئے ہم اس قسم کا کوئی اعتراض زبان پر لانا نہیں چاہتے۔ ہم حکومت سے صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ رعایا کی آسودگی کے لئے مناسب داموں پر کافی مقدار میں غلہ فراہم کر دے اور بس۔ اگر اجناس خوردنی کی برآمد کو جاری رکھ کر ایسا کیا جا سکتا ہے تو یہ ایک معجزہ ہو گا مگر یہ زمانہ معجزات کا نہیں ہے اس لئے حکومت سرکار عالی کو مقدم اور موخر میں فرق کرنا پڑے گا۔ اور یہ ایک کٹھن منزل ہے۔

بھوک اور امن پسندی کی کشمکش

ہمیں قوی شبہ ہے کہ حیدرآباد کی رائے عامہ اور مقامی اخبارات کو اس مسئلہ کی سنگینی کا گہرا احساس ہنوز نہیں ہوا۔ مقامی خبر رساں اداروں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ غلہ کی نقل و حرکت کس مقدار میں اور کن مقامات کے درمیان ہو رہی ہے۔ ریلوے کے ویگن درآمد کا فرض ادا کر رہے ہیں یا برآمد کے لئے مروت سے مطلوب ہیں۔ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے حسابات دیکھ کر کسی نے ہمیں نہیں بتایا کہ کتنا مال خرید لیا گیا، کتنا گوداموں میں ہے، کتنا ملک میں فروخت ہوا اور کتنا بیرون ملک برآمد کیا گیا۔ آج کل کی اہم ترین خبریں یہی ہو سکتی ہیں۔ کھچڑی، جلوس، اور اعتماد کے ووٹ کے لئے یہ زمانہ موزوں نہیں۔ اس وقت ان کی بجائے ان کو کسی طرح ناممکن ہے جبکہ بھوک کی گرمی دماغ کی رواداری امن پسندی کو خشک کر کے رکھ دے گی۔

صدارت عظمیٰ کا جائزہ لینے سے قبل عالیجناب نواب صاحب چھتاری نے علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ سلطنت آصفیہ کے استحکام اور شاہ ذی جاہ اور ان کی عزیز رعایا کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ ہمیں نواب صدر اعظم بہادر کی نیک نفسی سے قوی توقع ہے کہ انشاءاللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔

اظہار تعزیت

مسٹر نرسنگ راؤ مرزا رعیت اپنے والد محترم کے انتقال پر ہم اپنے عزیز دوست کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ پنڈت وینکٹ نرسیوان راؤ صاحب آنجہانی قدیم طرز کے دیندار اور پابند وضع انسان تھے۔ آنجہانی وطن دار بھی تھے اور ان کے اسلاف قطب شاہی دور کے تھے۔ مسٹر نرسنگ راؤ کے آباو اجداد قطب شاہی دور میں دربار شاہی کے مقربین میں سے تھے۔ وینکٹ نرسیوان راؤ آنجہانی نے اپنی قدیم روایات کے پیش نظر بیٹے لڑکوں کو جن میں بڑے مسٹر نرسنگ راؤ ہیں دارالعلوم میں انگریزی اور فارسی تعلیم دلائی۔ آنجہانی کی خوش قسمتی کہئے یا حسن تربیت کہ ان کے گھر میں اتفاق سے تین ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں جو پبلک خدمت کا ذوق اور اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مسٹر رام کشن راؤ پنڈت وینکٹ نرسیوان راؤ صاحب کے داماد ہیں اور مسٹر رام چندر راؤ سابق صدر آندھرا مہا سبھا کانفرنس ان کے دوسرے فرزند ہیں۔ آنجہانی زبردست شاہ پرست اور حکومت وقت کا احترام کرنے والوں میں سے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد اور یگانگت کے علاوہ قائل تھے چنانچہ اپنے بیٹوں اور داماد کو بھی وہ اسی رنگ میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ اگرچہ آنجہانی اپنی اولاد کی ترقیاں دیکھ کر خوش ہونے کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح کو ضرور مسرت ہوگی کہ ان کے گھر سے حیدرآباد کو تین پرجوش پبلک کارکن ملے۔ ہم ان تینوں اصحاب سے اور آنجہانی کے دوسرے پسماندگان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

مرکزی اسمبلی میں مسئلہ اغذیہ

"انڈین پنڈنٹ انڈیا" کا تبصرہ

مرکزی اسمبلی میں مسئلہ اغذیہ پر دو روز تک جو مباحث ہوتے رہے وہ نتیجہ خیز نہیں معلوم ہوتے۔ رکن حکومت سر عزیز الحق نے ایک تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ حکومت نے کیا کیا ہے اور یہ شکایت کی کہ صوبائی حکومتوں نے عدم تعاون اور مزاحمت کی روش اختیار کی۔ جن ارکان نے اس مباحثہ میں حصہ لیا انھوں نے بھی کوئی مفید تجاویز پیش نہیں کیں۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں کی شکایت ایک حد تک حق بجانب تھی یعنی یہ کہ ارکان اسمبلی زیادہ سے زیادہ حکومت پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں اور نہ مفید اور کارآمد تجاویز پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ انہیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حکومت کیا کرنا چاہتی ہے۔ اس مباحثہ سے مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑی اور نہ اس مسئلہ کو حل کرنے کا کوئی نیا طریقہ دریافت کیا گیا۔ اس کے برعکس حکومت کی یہ روش حسب تشریح ہوئی کہ وہ اس مسئلہ کو تقدیر کے سپرد کر رہی ہے۔ یہ ایک دشوار مسئلہ ہے۔ ہم اپنی بہترین کوشش کر رہے ہیں اور اس سے بہتر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ نقطہ نظر ہو تو یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہو سکتا۔ یہ پیچیدہ ہوتا جائے گا اور حکومت کے لئے زیادہ دشواریاں پیدا کر دے گا۔ اگر حکومت دیوالیہ ہونا نہیں چاہتی اور عوام کے لئے غذا فراہم کرنے کی ذمہ داری کو ترک کرنا نہیں چاہتی تو اس کو چاہئے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کا عزم کرے۔ یہ مسئلہ ناقابل حل نہیں ہے۔ ملک میں کافی غذا موجود ہے جس سے لوگوں کو فاقہ کشی سے بچایا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عوام کے لئے غذا کس طرح قابل حصول بنائی جائے۔ یہ مسئلہ فراہمی اور تقسیم اغذیہ کا ہے۔ جب تک حکومت خانگی نفع اندوز اداروں پر انحصار کرے گی یہ مسئلہ حل نہ ہوگا کیونکہ نفع اندوزی کا تقاضا ہے کہ قلت پیدا کرے اور قلت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی نفع حاصل ہوگا۔ جب حکومت خانگی نفع اندوز اداروں کو مسدود کرکے کاشتکاروں اور صارفین کی انجمن ہائے امداد باہمی کے ذریعہ فراہمی اجناس کی ذمہ داری لے گی تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس طرح سے جو غلہ ملک میں موجود ہے اس کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے گی اور غلہ کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوگا۔ اگر کوئی صوبائی حکومت اس راستہ میں حائل ہوگی تو وہ بدنام ہو جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا حکومت ہند ایسی اسکیم کو روبہ عمل لانے کی جرأت رکھتی ہے؟ اسمبلی کے مباحثے سے ایسی کوئی امید پیدا نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ ایک خوش آئند علامت ہے کہ ایک علحدہ محکمہ اغذیہ قائم کیا گیا ہے اور اس کو وائسرائے کی کونسل کے ایک رکن کی تحویل میں دیا گیا ہے۔ سر عزیز الحق کے ذمہ اتنے کام ہیں کہ وہ مسئلہ غذا پر کافی توجہ نہیں کر سکتے تھے۔ توقع کی جاتی ہے کہ جدید رکن اس مسئلہ پر پوری توجہ کریں گے اور اس کی وجہ سے کوئی زبردست حکمت عملی روبہ عمل لائی جائے گی۔

نادار طلبا کی امداد

انجمن طیلسانین عثمانیہ کی اپیل

مملکت آصفیہ کے تعلیمی اداروں میں جو طلبہ شریک ہوتے ہیں ان کو اپنی تعلیم کی تکمیل کے دوران میں جن مالی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے تو طلبہ کسی نہ کسی امداد کی توقع میں تعلیمی اداروں میں شریک ہو جاتے ہیں لیکن جب کوئی امداد نہیں ملتی تو بمجبوراً تعلیم ترک کرکے مدت العمر جیسی لازوال دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

تعلیم اور بالخصوص اعلیٰ تعلیم کی مشکلات پہلے کی طرح آج بھی قائم ہیں۔ سرکاری امداد و اعانت میں کمی پیدا کر دی گئی ہے۔ ملک کا معاشی توازن بھی بگڑا ہوا ہے۔ ہونہار افراد ملک کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت بھی باقی ہے۔ موجودہ نازک حالات میں ملک کے اہل خیر اصحاب طالب علموں کی امداد و اعانت کے لئے آگے بڑھیں اور ان کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے سرچشمی اور فیاضانہ طور سے ہاتھ بٹائیں تو توقع ہے کہ طالب علموں کی بعض مشکلات دور ہو جائیں۔

ملک میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا ادارہ ۳۰ سال سے قائم اور اپنے مقدور بھر طالب علموں کی دقتوں کو دور کر رہا ہے اگر جناب اپنے عطیوں سے اس ادارہ کا ہاتھ بٹائیں تو امید ہے کہ اس سود مند کام میں مزید وسعت پیدا ہو سکے گی یا یہ بھی ممکن ہے کہ راست جامعہ عثمانیہ یا دوسرے تعلیمی اداروں کو شرائط مقررہ کے عطیے بھیجے جائیں یا آپ شرائط مقررہ کے تحت طالب علموں کے لئے ہر مالی امداد مسرت اور خوش دلی سے قبول کر سکیں گے۔

بہرحال ملک کے مخیر اصحاب کے لئے بہتر اور یہی امر ہو سکتا ہے کہ طالب علموں کی امداد عمل میں لائیں اور اس طرح ملک کی حقیقی ترقی اور خوشحالی کا سامان بہم پہنچائیں۔ توقع ہے کہ اس مخلصانہ التماس پر ضرور توجہ فرمائی جائے گی۔ فقط

میر احمد علی خاں ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ)
صدر انجمن

تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے آراضیات

نظام ساگر کے تحت اجتماعی کاشت

نوآبادکاری کی اسکیم کی ترقی

علاقہ نظام ساگر میں نوآبادکاری کے لئے جو (۲۹۰۰۰) ایکڑ رقبہ ہے اس میں سے (۵۰۰۰) ایکڑ رقبہ ضلع نظام آباد کے چار تعلقوں یعنی بانسواڑہ، بودھن، نظام آباد اور آرمور میں زیر استعمال آچکا ہے اور اس اسکیم کے تحت جو نوآبادکار بسائے گئے ہیں ان کی تعداد (۱۳۰۰) تک پہنچ گئی ہے۔

پست اقوام اور ملحق اراضی نہ رکھنے یا ناکافی اراضی رکھنے والے کاشتکاروں کو رعایات بغیر ہراج کئے ہوئے دی جاتی ہیں اور ایسے مقامی کاشتکاروں کو جن کے پاس (۲۵) ایکڑ سے کم اراضی ہے ہراج میں قیمت لگانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ (۱۳۸۱) ایسے کاشتکاروں کے لئے اراضی فراہم کی جا چکی ہے جن کے پاس ملحق اراضی نہ تھی اور (۸۰۵) کاشتکار جنہیں اراضی دی گئی ایسے ہیں جن کے پاس اراضیات ناکافی تھیں۔ ان کے علاوہ پست اقوام کے (۳۴۲) خاندانوں کو بھی تقریباً (۵۳۶) ایکڑ اراضی دی گئی ہے۔

نوآبادکاری کے ۲۰ مراکز

نوآبادکاری کی اسکیم حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

(الف) نوآبادکاروں کی فراہمی اور مرکزوں کا قیام۔

(ب) نوآبادیوں کی ترتیب درختوں کی کاشت اور کنوؤں اور سڑکوں کی تعمیر۔

(ج)۔ مکانات کی تعمیر۔

مجلس ترقیات نظام ساگر نے سڑکوں کنوؤں اور مدارس کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے (۳۰۰۰۰) روپئے سالانہ منظور کئے ہیں۔

تعلقہ بانسواڑہ میں کاملی، بورلم، ترملاپور، حاجی پور، کوم لنچا، بایس پلی، تماپور اور حکیم پیٹھ نوآبادکاری کے مرکز ہیں۔ تعلقہ بودھن میں نوآبادکاری کے مرکز بودھن، منارپلی، اکبر نگر اور سلام پور ہیں۔ تعلقہ نظام آباد میں سکھوری، ناگی پیٹھ، موسکھن پلی اور جانا پلی نوآبادکاری کے مرکز بنانے کے لئے منتخب کئے گئے اور تعلقہ آرمور میں آمنہ پور، کومن پلی اور ڈونکل کو مرکز بنایا گیا۔

تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی نوآبادیاں

نظام آباد اور بودھن کے پانچ مواضعات میں (۲۰۰۰) ایکڑ سے زیادہ یکجا اراضی فوجی وظیفہ یابوں کے لئے مختص کردی گئی ہے۔

فتح نگر کی فوجی نوآبادی سے متصل تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے ایک نوآبادی قائم کی گئی ہے جو علاقہ نوی پیٹھ کہلاتی ہے اور اس علاقہ میں ایک سو سے زیادہ تعلیم یافتہ بیروزگار آباد ہوگئے ہیں۔

علاقہ نوی پیٹھ میں فضل اللہ پور، پوچنپلی اور ناگے پور کی تین نوآبادیاں ہیں۔

فضل اللہ پور:۔ اس نوآبادی میں نوآبادکاروں کی تعداد (۲۴) ہے اور وہ (۲۳۰۱) ایکڑ اراضی پر کاشت کرتے ہیں۔ انہیں (۲۳۰۰۱) روپے تقاوی قرضے کے طور پر دئے گئے ہیں۔ نوآبادکاروں نے مزدوروں کے (۱۰) خاندانوں کو آباد کیا ہے تاکہ وہ کاشت کرنے میں ان کی مدد کریں۔ امداد باہمی کے اصول پر انھوں نے ایک سنڈیکا بھی قائم کرلیا ہے جس کا نظم نواب نور اللہ واجد کرتے ہیں۔ اس سنڈیکے نے بازار کے دنوں میں دیہاتیوں کی ضیافت کے لئے ایک ریڈیو سٹ بھی [illegible] فراہم کیا ہے۔

پوچنپلی

اس نوآبادی میں پانچ طلباء (۲۲۲) ایکڑ اراضی پر کاشت کر رہے ہیں۔

ناگے پور

اس نوآبادی میں تین تعلیم یافتہ نوآبادکار ہیں جن میں سے ایک نے رودرور کے زرعی مرکز میں تربیت بھی حاصل کی ہے (۱۰۰) ایکڑ اراضی کو زیر استعمال لائے ہیں اور اپنے نئے پیشہ میں ترقی کر رہے ہیں۔

اجتماعی کاشت

نظام ساگر اسکیم کے تحت جو اشخاص بڑے پیمانے پر کاشت کر رہے ہیں ان میں میر فائق علی صاحب جنگ، ڈائرکٹر حیدرآباد کنسٹرکشن کمپنی اور مسٹر وٹھل راؤ متعلق بہ میسرس ورد وہارات مدلیار اینڈ کمپنی سکندرآباد بھی شامل ہیں۔ ایک مرحلہ کے قریب مقامی کاشتکار بھی اجتماعی طور پر کاشت کر رہے ہیں اور انھوں نے ایک انجمن بھی قائم کی ہے جو میووں اور ترکاریوں کے کاشتکاروں کی انجمن کہلاتی ہے۔ اس انجمن کو بودھن کے قریب خاص رعایت کے ساتھ (۱۰۰۰) ایکڑ اراضی عطا کی گئی ہے جس میں سے (۲۰۱) ایکڑ رقبہ زیر استعمال آچکا ہے اور اس پر سنتروں اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

بشیر فارم

خان صاحب عبدالکریم بابو خاں نے تعلقہ بودھن میں (۳۰۰۰) ایکڑ اراضی حاصل کی ہے۔ ان کا مزرعہ بشیر فارم کہلاتا ہے۔ اور اس میں نیشکر اور سنترے کی کاشت ہوتی ہے۔

سلیمان نگر

موضع سلام پور کی اراضیات میجر سلیمان مرزا اور مسٹر ڈونٹا اتالیہ اور ان کے ساتھیوں کو پٹہ پر دی گئی ہیں۔ ان لوگوں نے (۲۴۳) ایکڑ اراضی حاصل کی ہے۔ میجر سلیمان مرزا الدین نے ایک نوآبادی میں جو سلیمان نگر کہلاتا ہے ایک خوبصورت دیہاتی مکان بھی بنایا ہے۔

اشرف فارم

بالا ریڈی، حیدرگل اور نظام آباد میں او ماندلا نے علاقہ بورگاؤں میں حکومت اور مقامی کاشتکاروں سے (۵۷۰) ایکڑ اراضی حاصل کی ہے یہ مزرعہ بھی امداد باہمی اصول پر قائم کیا گیا ہے اور اس کا انتظام ایک ناظم کے تفویض ہے (۱۰۰) ایکڑ اراضی میوہ کی کاشت کے لئے مختص کردی گئی ہے اور باقی ماندہ اراضی پر نیشکر کی کاشت ہوتی ہے۔ پہلے سال کے لئے جو پروگرام بنایا گیا ہے اس کے تحت سنترے کے (۱۲۰۰۰) درخت لگائے گئے ہیں۔

نوآبادکاروں کے لئے مکانات

حکومت سرکار عالی نے ایسے کاشتکاروں کے لئے جن کے پاس کافی اراضی ہے جدید نمونے کے (۲۰۰) مکانات تعمیر کرنے کے لئے (۴۰۰۰۰) روپے منظور کئے ہیں۔ ہر مکان کی لاگت (۲۰۰) روپے ہوتی ہے جس میں سے حکومت (۸۰) روپے عطا کرتی ہے اور (۱۲۰) روپے نوآبادکاروں سے بارہ روپیہ کی دس سالانہ قسطوں کی شکل میں وصول کئے جاتے ہیں۔ مکان پر قبضہ کرنے کے چوتھے سال سے قسطوں کی ادائی شروع ہوتی ہے۔ نوآبادکاروں کے لئے مکانات کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

بانسواڑہ	۵۰ مکانات	آرمور	۳۵ مکانات
بودھن	۵۵ "	نظام آباد	۱۲ "

دوسری سہولتیں

گذشتہ دو سال کے عرصہ میں ۱۵ نوآبادکاروں کو رودرور کے زرعی تحقیقاتی مزرعہ میں تربیت دی گئی علاوہ کونگی میں گیہوں کے بڑے پیمانے پر ایک مظاہراتی مزرعہ بھی قائم کیا گیا ہے۔

محکمہ تعمیرات نوآبادکاروں کی ہر ممکن طریقہ پر امداد کر رہا ہے۔

محکمہ علاج حیوانات نے کمار پور تعلقہ بودھن میں مویشیوں کی نسل کشی کے لئے ایک مزرعہ قائم کیا ہے۔ مجلس ترقیات نظام ساگر نے مراکز نوآبادکاری میں امداد باہمی کی انجمنیں قائم کرنے کا تصفیہ کیا ہے۔

بودھن کے کارخانہ شکر سازی کی جانب سے نوآبادکاروں کے لئے تخم اور کھاد فراہم کی جاتی ہے اور زرعی آلات کی فراہمی اور فنی مشورے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سررشتہ آبکاری نے جھونپڑیوں کی تعمیر کے لئے تاڑ کے پتے مفت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

ہندوستان کے سیاسی تعطل کے اسباب

سر چمن لال سیتلواڈ کی تصریح

ذیل میں سر چمن لال سیتلواڈ کے اس مکتوب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو ۲۰ اگست کے ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہوا ہے۔

سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لئے مسٹر کے۔ ایم۔ منشی اور دیگر اصحاب جو کوشش کر رہے ہیں اس کی قدر کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسٹر منشی کا وہ بیان حیرت انگیز ہے جو مسٹر جی … کے "سوشل ویلفیر" میں شائع ہوا ہے اور جس میں یہ کہا گیا ہے کہ "کانگریس صورت حال کے حقائق سے کبھی بے تعلق نہیں رہی"۔ واقعہ یہ ہے کہ کانگریس حقیقت پسندی سے ہمیشہ دور رہی ہے۔ مسٹر منشی کو کانگریس سے کیوں علیحدہ ہونا پڑا؟ اس وجہ سے کہ گاندھی جی کے مسلک عدم تشدد کو جسے کانگریس کی مجلس عاملہ نے قبول کر لیا تھا حقیقت پسندی کا فقدان تھا۔

مسٹر منشی نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۶ جون ۱۹۴۰ء میں جو گاندھی جی کا موسومہ تھا یہ کہا تھا کہ "یہ دعویٰ … رکھنا کہ منظم تشدد کے خلاف حفاظت خود اختیاری کے وقت ہر حملہ آور کے مقابلہ میں پیار یا ہمدردی ظاہر کروں گا یا تکلیف برداشت کروں گا جب ملک کے استحکام کو خطرہ لاحق ہو۔" اس کے چند روز بعد ہی مسٹر گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ "گفتگو کے دوران میں مسٹر منشی نے محسوس کیا کہ … سوال کو … تمام حضرات کے ساتھ قبول کیا تھا مگر اس پر عمل کرنے میں وہ بڑی دشواری محسوس کرتے ہیں"۔ کیا یہ مسٹر گاندھی کی حقیقت پسندی تھی جو انھوں نے گول میز کانفرنس میں یہ کہا تھا کہ وہ دفاع اور فوج سے متعلق گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتے کیونکہ ان کے خیال میں ہندوستان کو کسی فوج کی ضرورت نہیں ہے۔ مسٹر گاندھی نے آغاز جنگ کے وقت حقیقت پسندی کا کچھ تھوڑا سا ثبوت دیا تھا جبکہ انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اس جنگ میں انگلستان کی غیر مشروط طریقہ پر حمایت کی جانی چاہئے۔ لیکن یہ ایک … تھا اور وہ بہت جلد اپنے اعلان سے منحرف ہو گئے۔ کیا اس واقعہ کو … حقیقت پسندی کہا جا سکتا ہے؟ … انقلابات … ہوں ——— اور اختلافات کتنے ہی بنیادی ہوں ——— جنگ کی حد تک ہندوستان اور انگلستان ایک کشتی کے سوار ہیں کیونکہ اگر … کو کامیابی ہوگی تو آزادی ہند کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ کانگریسی وزراء کو سات صوبوں میں اقتدار سے دست بردار ہونے پر مجبور کرنا اور … کے سپرد کر دینا حقیقت پسندی ہے؟ کیا کرپس کی تجاویز کو مسترد کر دینا حقیقت پسندی تھی جن میں ہندوستان کو حق بھی آزادی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا یعنی یہ کہ "کیبنٹ" … کو دولت عامہ میں شامل ہونے دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کو حق علیحدگی بھی دیا جا رہا تھا اور مرکزی حکومت میں قابل لحاظ اقتدار نمائندہ ہندوستانیوں کے ہاتھ منتقل کرنے پر آمادگی ظاہر کی گئی تھی۔

وہ حکومت برطانیہ جس نے قانون حکومت ہند بابت ۱۹۳۵ء کی تمہید میں یہ درج کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہندوستان کے سیاسی ارتقا کی منزل مقصود "نوآبادیاتی درجہ" ہوگی اور جس نے ہندوستانی وفد کی تجاویز کو جو سر آغا خان کی سرکردگی میں پیش کی گئی تھیں مسترد کر دیا تھا جس نے برطانوی مفادات کے لئے بے شمار تحفظات قانون میں رکھے تھے وہی حکومت اب جنگ کے دباؤ کے تحت "نوآبادیاتی درجہ" تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ ایسی پیش کش کو مسترد کر دینا حقیقت پسندی کے فقدان کا ثبوت ہے۔ "ہندوستان چھوڑ دو" کی قرارداد جو گزشتہ اگست میں منظور کی گئی تھی کیا وہ حقیقت پسندی تھی۔ کوئی شخص جو حقیقت پسندانہ نظر رکھتا ہو کس طرح یہ خیال کر سکتا ہے کہ برطانوی قوم جس نے ڈنکرک کے بعد تاریک زمانہ میں جرمنی کی زبردست قوت کا مقابلہ کیا ہے وہ ہندوستان کے غیر مسلح عوام کے کہنے پر ہندوستان چھوڑ دے گی۔ کیا یہ خیال کرنا حقیقت پسندی ہے کہ اگر عوام سول نافرمانی کا پرچار کریں گے تو یہ تحریک … عدم تشدد رہے گی۔

کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسٹر گاندھی عصر جدید کے چند بڑے انسانوں میں سے ہیں۔ انھوں نے عوام میں اس درجہ بیداری پیدا کر دی جو ان سے پہلے کسی نے پیدا نہ کی تھی لیکن یہ مقصد (عوام کی بیداری) حاصل کرنے کے بعد وہ ان نتائج کو حاصل کرنے میں ناکام رہے جو ان قوتوں سے حاصل ہو سکتے تھے کیونکہ ان کی تصوریت (خیال پرستی) ناقابل عمل تھی۔

مسٹر سری نواس شاستری ابھی حال ہی میں ونگڈن کالج مدراس کے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مسٹر گاندھی جو … زندگی میں عدم تشدد کا پرچار کر رہے ہیں اور جنھوں نے امن کی تلقین کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے جنگ کے بعد صلح کانفرنس میں وہی تنہا ہندوستان کی نمائندگی کر سکتے ہیں"۔ مسٹر شاستری کا ایسا بیان حیرت انگیز ہے۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ جو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں مسٹر گاندھی کو اپنا نمائندہ کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ مسٹر ساورکر اور مہاسبھا بھی اسی طرح مسٹر گاندھی کو اپنا نمائندہ تسلیم کرنے سے انکار کریں گے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور پست اقوام مسٹر گاندھی کو اپنا نمائندہ بنانے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ مرہٹے اور غیر برہمن بھی مسٹر گاندھی کی نمائندگی قبول نہ کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اعتدال پسند جماعت بھی جس میں مسٹر شاستری بھی شامل ہیں اس بات پر متفق نہ ہوگی کہ صلح کانفرنس میں مسٹر گاندھی نمائندگی کریں۔ یہ خیال نہایت عجیب و غریب ہے۔

بعض لوگ حکومت برطانیہ سے پر جوش اپیل کر رہے ہیں کہ وہ سیاسی تعطل کو رفع کرے۔ یہ سیاسی تعطل اس لئے پیدا ہوا ہے کہ بڑی سیاسی جماعتوں میں مفاہمت نہ ہو سکی۔ اب یہ ہندوستانیوں کا فرض ہے کہ وہ سیاسی تعطل کا حل دریافت کریں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ انگریز ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ فرض کرو کہ ایسا ہو رہا ہے لیکن ہم اتنے بے وقوف اور تنگ نظر کیوں ہیں کہ ایسے ہتھکنڈوں کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔

مراسلات

سینما بینی پر تحدید عائد کی جائے

جناب ایڈیٹر صاحب مملکت

آپ کے اخبار مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۶۲ھ میں بعنوان "پردۂ سیمین کے پیچھے" جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں یہ تجویز کی گئی ہے کہ تفریحات پر محصول اندوزی اور کم سن بچوں کا سینما بینی … ممنوع قرار دیا جائے۔

آخر الذکر تجویز مبہم ہے۔ میری رائے میں ۲۲ سال یا اس سے کم عمر کے لڑکے اور لڑکیوں نیز ناکتخدا لڑکیوں کو سینما بینی سے قانوناً روک دیا جانا چاہئے خواہ ناکتخدا لڑکیوں کی عمر چالیس سال ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے امید ہے ملک کے دیگر اخبارات اور پبلک ادارے بھی اس تجویز سے پوری تائید کریں گے۔

(نواب محمد ولی داد خاں مندوزئی)

مجلس قیام امن کی کانفرنس میں

نواب حبیب اعظم بہادر کی افتتاحی تقریر

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۸))

اس کی ابتداء مضافات اور دیہاتی رقبے سے ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کی شاخیں بلدہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی قائم کی جائیں۔ اس بناء پر تنظیم اصلاح کے سلسلہ میں مولوی مقصود احمد خاں صاحب اور ان کے رفقاء کار کی کوششیں یقیناً قابل تحسین ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ ہم جیسے رعایا و رعیت پر صدہا سال اعلیٰحضرت بندگان اقدس کا سایہ عاطفت قائم رہے جن کی ذات شاہانہ اور مراحم خسروانہ سے ملک کو امن و امان کی بہترین ضمانتیں ہیں۔ فقط

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

مسٹر ساورکر نے ناگپور میں ایک صحافتی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"مجھ کو مسٹر جناح کے دو اقوام کے نظریہ سے تعرض نہیں۔ ہم ہندو بجائے خود ایک قوم ہیں اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ ...... ہم ہندوستان میں دو قومیں جو بستے ہیں لیکن ہماری مملکت صرف ایک ہو سکتی ہے"

مسٹر ساورکر نے دو اقوام کا نظریہ قبول کر لیا۔ اگر مہاتما گاندھی جی کے "خورد و اندیشہ" کا یہی عالم رہا تو کوئی عجب نہیں کہ وہ دو حکومتوں کے نظریہ کو بھی قبول کر لیں کہاں ہیں مسٹر راجگوپال چاری؟

میعاری کپڑے کی تقسیم سے متعلق "یونائیٹڈ پریس" نے اطلاع دی ہے کہ:-

"بیان کیا جاتا ہے کہ ملک کار رعایا کے میعاری کپڑے کی منصفانہ تقسیم کے لئے ایک اسکیم زیر ترتیب ہے۔ اس سلسلہ میں ایک فارمولا تجویز کیا جائے گا جس کی رو سے ادسط مقرر کر کے کپڑے کی تقسیم عمل میں آئے گی۔ فی الحال قمیص ساڑی اور دھوتی کے لئے میعاری کپڑا تیار کیا گیا ہے"

اور پائجامے؟ کیا منصفانہ تقسیم ہے!!

مولوی سید فضل حسین صاحب ایڈووکیٹ رکن عاملہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ آج مدراس کے لئے روانہ ہو گئے جہاں کہا جاتا ہے کہ مولوی بہادر خان صاحب ٹھیرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کی روانگی کا مقصد یہ ہے کہ وطن واپسی کے احساسات سے مولوی صاحب موصوف کو مطلع کریں اور جہاں ضرورت ہو کوئی مشورہ دیں اور وہاں کی صورت حال کا مطالعہ کریں۔ (اورینٹ پریس)

اگر یہ خبر خانت صفر کو صحیح طور پر ظاہر کرتی ہے تو مناسب ہوگا کہ مولوی فضل حسین صاحب وہاں کچھ روز قیام کر کے کسی اچھے طبیب سے مشورہ کریں۔

مشور اور قیا نوس کی دوسری سالگرہ کے وقت پریذیڈنٹ روزویلٹ نے کہا کہ:-

"جب مشور اور قیا نوس پر دستخط ہوئے ہیں اس وقت بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ نا قابل حصول ہے لیکن آج جب آزادی دلانے والی طاقتیں آگے بڑھ رہی ہیں تو خود ارادیت ایک مرتبہ پھر ایک زندہ حقیقت بنتا جا رہا ہے" (ارانڈ)

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا مسٹر چرچل سے مشورہ کر لیا گیا تھا؟ منشور اوقیانوس کی سالگرہ منائی جا رہی تھی یا برسی۔

بیت المعذورین میں گداگروں کی تعداد (۳۷۵) ہو گئی ہے جن میں ہندو، مسلمان، مرد، عورت اور بچے شامل ہیں۔ (دکن نیوز)

اس مخلوط معاشرے کے خلاف "ترجمان ملت" کو احتجاج کرنا چاہئے۔

کراچی جیل سے فرار ہونے کی کوشش۔ (ایک سرخی)

تعلق گرانی اجناس کے اس زمانہ میں زندہ رہنے کے لئے جیل سے بہتر مقام کیا ہو سکتا ہے؟ فرار ہونا کوئی دانشمندی نہیں۔

مسٹر سی۔ راما ناتھن سابق کانگریسی وزیر نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:-

"کانگریس ناکام رہی۔ اس نے یقیناً وہ نتائج حاصل نہیں کئے جو اس کی وسیع تنظیم سے توقع تھی۔ اس ناکامی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کے بنیادی اصولوں اور طریقہ کار میں ضرور کوئی خامی ہے۔ نئے حالات نئی حکمت عملی کے متقاضی ہیں اور نئے لیڈروں کی ضرورت ہے۔ ہماری مبالغہ آمیز قوم پرستی نے ہمیں بین الاقوامی حقائق کو سمجھنے سے محروم رکھا"

یہ کانگریسی لیڈر جیل سے رہا ہوتے ہی

عجیب عجیب باتیں کرنے لگے ہیں۔ سچ کہا تھا کسی شاعر نے۔

ع۔ عقل آتی ہے پابند سلاسل ہو کر

سری نگر کی مسلم کانفرنس نے اپنے سالانہ اجلاس کو ختم کر دیا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر نواب بہادر یار جنگ بہادر جو کشمیر آئے تھے وہ اس سے خارج کر دئے گئے۔ (اسوسی ایٹڈ پریس)

کشمیر جنت نظیر پنڈت جواہر لال نہرو کا وطن ہے جنہوں نے ایک بار حیدرآباد کے متعلق یہ لکھا تھا کہ "یہ ریاست ابھی قرون وسطی کے دور میں ہے" مگر قرون وسطی کی اس ریاست نے ڈاکٹر موجے، بھائی پرمانند، پنڈت مالویہ، دیوی (؟) پنڈت جواہر لال نہرو اور خود مہاتما گاندھی کا شاندار استقبال کرنے کی عزت حاصل کی ہے۔ شاید ہی کوئی بڑا کانگریسی اور مہاسبھائی لیڈر ایسا ہوگا جس کے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین دکن مشرف نہ ہوئی ہو حتی کہ کشمیر کے شیخ عبداللہ بھی یہاں اپنا درشن دکھا چکے ہیں۔

انبالہ میں پٹرول کے غبن پر ایک افسر کو سزا (ایک سرخی)

اڑ جانا تو پٹرول کی خاصیت ہے اس کو غبن سمجھنا صریح ناانصافی

دنیا میں تنگ نظری بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر ملک اپنے ہی ملک کے افراد کو اعلی خدمات سے سرفراز کرتا ہے حالانکہ بین الاقوامی یگانگت کا تقاضا یہ تھا کہ مسٹر ایڈن امریکہ کے وزیر خارجہ ہوتے اور مسٹر ہلسن برطانوی کابینہ کے رکن۔ اسی طرح روسی افواج کی کمان چین کے کسی شخص کے ہاتھ میں ہوتی اور چنگ کنگ کے ایوان حکومت میں ہندوستان کا کوئی رفیق برسر اقتدار ہوتا۔ لیکن تعصب و تنگ نظری کا خدا بھلا کرے کہ ایسا ہونے نہیں پاتا۔ دور کیوں جائیے خود ہندوستان میں ملک خضر حیات خاں کو بنگال والے نہیں بلاتے اور نہ مسٹر راجگوپال چاری کو پنجاب میں بلایا جاتا ہے۔ لے دے کے اب صرف حیدرآباد ہی رہ گیا ہے جو اتنا تنگ نظر ہے اور نہ اس قدر تنگ دل۔ خدا قائم رکھے اس روایت کو۔

میں جس ہندستانی کا ذکر کر رہا ہوں وہ ہندی اور اردو کا ایک خوش گوار امتزاج ہے جو نہ تو ہندی کی طرح بہت زیادہ سنسکرت آمیز ہو اور نہ اس میں اردو کی طرح عربی اور فارسی الفاظ کثیر تعداد میں ہوں بلکہ اس میں ان تمام زبانوں کے الفاظ کا ایک معقول تناسب موجود ہو۔ (سر مرزا اسمٰعیل)

گویا ہندستانی زبان ہے کہاں؟ اور ہندی اور اردو کا یہ خوش گوار امتزاج اس قدر ناگوار نتائج کیوں پیدا کر رہا ہے؟ کیا مولوی عبدالحق صاحب اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟

گداگری کے اسباب

از

رادھا کمال مکرجی

مترجمہ سید ابوالعارف صاحب بی اے (عثمانیہ)

گداگری کی موجودگی سے سماجی نقص اور انتشار ظاہر ہوتا ہے اور ہندوستان میں انفرادی طور پر اور اوقات کے ذریعہ تقسیم خیرات سے اس خرابی، مظلومیت یا سماجی نقص کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح ناداروں اور بیکسوں کی امداد کے اس طریقے سے معاشرہ کی اس اہم و مضر خرابی اور سماجی عدم توازن پر پردہ پوشی مقصود ہوتی ہے۔ اس زمانہ کا تقاضہ ہے کہ اس کے بنیادی اسباب کی تحلیل اور تفہیم کی جائے اور ہندوستانی سماج کی اس خامی کے لئے ایک قانونی عمل اختیار کیا جائے کہ انسانی احتیاج اور مصیبت زدگی کو عارضی طور پر محدود کرنے کی کوشش کو ایک قومی فریضہ سمجھا جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں گداگری کا ایک عام سبب دیہاتوں میں زرعی روزگار سے محرومی ہے۔ ایک زمانہ سے ایسے زمینات دار اراضیات نہ رکھنے والے افراد کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو زمین نہ رہنے سے اپنے روزگار سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ان تمام اراضیات سے محروم شدہ اشخاص کو منصوبوں میں کھپانا مشکل ہے۔ یہ دیہاتوں سے تنگ دل کر کے شہروں میں آنے کے بعد ان میں سے چند زمین کی کھدائی اور سڑکوں کی درستی کی مزدوری قبول کر لیتے ہیں اور بعض خانگی، گھریلو ملازمت یا بازاروں میں قلی بن جاتے ہیں۔ دوسرے گداگری کو اس قسم کی محنت سے بہتر سمجھتے ہیں جس میں نسبتاً کم آمدنی اور گزارہ ملتا ہے۔

ہندوستانیوں کے لئے ہر ایک پیشہ اور دست کاری یا حتیٰ ایک سماجی تنظیم میں شرکت کے مثل ہوتا ہے اور گداگری میں بھی ایک برادری کی طرح نئے فقیروں کو جو خواہ جسمانی طور سے اچھے ہوں یا ناقص، بیمار، مرد، عورت یا بچے سب کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ یہی گروہ بندی اور برادری ہے جو ہندوستان کے بڑے شہروں اور گاؤں میں اشخاص کو آزادانہ لیکن غیر یقینی ذریعہ معاش سے آسانی اور سہولت کے ساتھ گداگری اور بیکاری کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ گروہ بندی ان اشخاص کو سکھاتی ہے کہ کہاں اور کس طرح بھیک مانگنا چاہئے، بچوں کے لئے کس طرح صورت بگاڑا جاتا ہے اور کس طرح تعمداً معذور کرتے جاتے ہیں تاکہ راہگیروں پر رحم کی ہمدردی حاصل کر سکیں۔ اس طرح عام طور پر ان کی بہتری اور بود و باش کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں صدیوں سے ایسی عجیب و غریب تنظیم موجود ہے جس میں سردار یا سرمایہ دار ہوتے ہیں اور ایک کثیر تعداد میں دیہاتی افراد اور ایسی ذیلی گروہ بندیاں جن کے ذمے دور دراز کے دیہاتوں اور قریوں میں یہ کام انجام دینا پڑتا ہے۔ یہ ان گداگروں کی رہائش کا انتظام کرتی ہے ان کے کھانے اور لقدی کے ساتھ چلیفہ چیزیں بھی فراہم کرتی ہے اور ہر شام تمام فقیر ان کے پاس روزانہ شہر کے محلوں میں محنت سے کمائی ہوئی خیرات جمع کرتے ہیں تاکہ یہ تمام اسی منظم خیراتی آمدنی سے مستفید ہو سکیں۔ یہ ایک اندرونی خفیہ دنیا ہے جس سے تعلیم یافتہ ہندوستانی بہت کم واقف ہیں۔ یہ ایسی دنیا ہے جس میں ظالمانہ استحصال خوفناک حوادث اور ساتھ ہی اخلاق و شرافت کے مظاہرے بھی ہوتے ہیں۔

گداگری کا سب سے عام سبب کسانوں اور مزدوروں کی اراضیات سے علحدگی ہے جو اس سے محروم ہو کر روزگار اور ذریعہ معاش کا کوئی اور وسیلہ نہیں رکھتے۔ بہار میں ۷۰،۳۹ لاکھ زرعی مزدور ایسے ہیں جن میں ۱۹۲۱ اور ۱۹۳۱ کے درمیان ۱۹ فیصد اضافہ ہو چکا ہے اور یہ تعداد صوبہ کی زرعی آبادی کے ۵۰ فیصدی ہے اسی طرح صوبجات متحدہ میں ۳۲ لاکھ ایسے زرعی مزدور ہیں جنہیں ۱۹۳۱ سے اب تک کوئی مستقل وسیلہ معاش نہیں مل سکا۔ اراضیات کر کر وہ گاؤں اور شہروں میں کوئی ذریعہ معاش حاصل کر سکتے جہاں وہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ قحط سالی اعلیٰ قیمتیں اس تعداد میں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔ جو فاقہ کشی کی مصیبت سے تنگ آکر اپنے دیہات سے قریب ترین گاؤں اور وہاں سے دور دراز کے شہروں کو چلے آتے ہیں اور یہاں ان کا پہلا سوال کھانے کا ہوتا ہے۔ کلکتہ اور بمبئی ایسے نقل و حمل کرنے والے فقراء سے پر ہیں کیونکہ یہ ریل یا کشتی کے ذریعہ مفت سفر کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی منزل بہ منزل کچھ کما بھی لیتے ہیں۔ ہندوستان کا دان اور خیرات کا دوامی دستور جس کی پشت پر مذہب ہوتا ہے گداگر کو زندہ اور حرکت پذیر رکھتا ہے۔

مجموعی طور پر تمام ہندوستان میں گداگروں کی تعداد ۱۴ لاکھ کے قریب پہنچ گئی ہے اور ۱۹۳۱ کی مردم شماری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں نصف سے زیادہ توانا و تندرست ہیں۔ حالیہ زمانہ میں آبادی کے روز افزوں اضافہ اور ساتھ ہی معاشی حالات کی خرابی سے ان میں غیر معمولی اضافہ ممکن ہے اور فوراً کرپشتی کے سبب خانگی امداد اور خیرات کے رواج سے بھی یہ ہوئے جا رہے ہیں۔ اگرچہ بعض دولت مند تاجر، زمیندار اور دوکاندار ہفتہ میں ایک یا چند دن تقسیم خیرات کے لئے مختص کر دیتے ہیں پھر بھی ایک کثیر حصہ گداگروں کا اپنے رزق و رہائش کے لئے دھرم سالاؤں، معبدوں اور درگاہوں میں پناہ گزین ہوتا ہے جہاں یہ سہولتیں مہیا ہوتی ہیں۔ بڑی تعداد میں فقراء جو دکانوں، بازاروں اور سڑکوں پر جمع نظر آتے ہیں وہ آجکل اس قدر خیرات حاصل نہیں کر سکتے جس قدر اس معاشی پستی سے پہلے ان کو مل جاتا تھا۔ تاہم وہ گھر والوں، دوکانداروں اور راہگیروں سے ہمدردی حاصل کرنے میں اس تندہی اور صبر سے مصروف رہتے ہیں جو طویل آزمائش اور مصیبت زدگی کا نتیجہ ہیں اور صرف ان مشرق کے ملکوں میں یہ خصوصیات باقی باقی ہیں!

آبادی کا بڑا حصہ ایسا ہے جو توانا و تندرست ہے مگر بھیک مانگنے پر مجبور ہے کیونکہ وہ زمین سے کمائی حاصل کرنے کا ذریعہ کھو چکے ہیں لیکن ساتھ ہی اکثریت ایسے گداگروں کی ہے جو جسمانی، ذہنی اور دماغی خرابیوں سے معذور ہو گئے ہیں۔ ہندوستان میں اندھے ۶۰۱،۳۷۰ ہیں بمقابلہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے جہاں یہ تعداد ۱۰۱،۳۰۰۰ ہے۔ اس ملک میں ہر ایک لاکھ افراد میں اندھے ۱۴۲ [illegible] گونگے اور بہرے ۲۳۰،۰۵۵ جزامی ۴۴ اور ۱۳۱ پاگل ہیں۔ یہ تمام اعداد و شمار ۱۹۳۱ کی مردم شماری کے مطابق ہیں ۱۹۴۱ کی مردم شماری میں معذورین شمار نہیں کئے گئے۔

کئی ایسے معذور ہیں جو دیہاتوں میں رہتے ہیں اور جلد یا بدیر گداگری کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ ملک کا معاشی نظام ایسا ہے کہ ان لاچاروں کی امداد کے لئے کوئی توفیری ادارے نہیں اور نہ ایسے سماجی ادارے ہیں جو ان کی بہتری، اصلاح اور سلوک کے تعمیری کام انجام دے سکیں۔

ہندوستان میں گداگروں اور ان کی مختلف نوعیتوں کے اعداد و شمار اور دیگر مسائل سے متعلق بہت کم مواد جمع کیا جاتا ہے اس لئے ایسے معاشی اور سماجی ادارات کے متعلق تحلیل و توضیح کرنے سے جن سے آوارہ گردی اور گداگر پیدا ہوں گداگروں کے صحیح حالات اور مختلف نوعیتوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

[illegible] ایک ایسا شہر ہے جہاں گداگری جرم قرار دیا گیا ہے اور بطور سزا ایک دارالغرباء میں جبراً قیام سے دی جاتی ہے جس کو سوشیل سروس لیگ نے قائم کی ہے اور بلدیہ نے اس کے طریق کار کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ شہری آبادی میں گداگروں میں توانا و تندرست کس قدر کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔

جنسی مریض، جذباتی و غیر متوازن فطرت والے افراد اور ذہنی امراض میں مبتلا اشخاص ہندوستان کی شہری آبادی کا بڑا حصہ ہوگئے ہیں جن غفلت اور لاپرواہی سے شہروں میں پاگلوں اور معذورین کو

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۰)

کونسل آف اسٹیٹ میں مسئلہ اغذیہ پر بحث

حکومت کی پالیسی کا اعلان

نئی دہلی ۱۳ اگست۔ آج صبح کونسل آف اسٹیٹ میں مسئلہ اغذیہ پر بحث کے دوران میں سر جے پی سریواستوا رکن اغذیہ نے ایوان کو یقین دلایا کہ ملک کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے ان کو اور ان کے محکمہ کو عوام اور ان کے قائدین کے اتحاد عمل کی ضرورت ہے۔

موصوف نے ایوان کو اس کا بھی یقین دلایا کہ وہ کسی بھی عملی نظریہ سے پست ہمت نہ ہوں گے۔ اور دیکھیں گے کہ غذائی پالیسی کے نظم و نسق میں صوبائی حکومتیں مرکزی حکومت کی خواہشات کو ٹھکرا نہ دیں گی۔

رکن اغذیہ نے تجارتی کمشنر [illegible] اور رائے بہادر رام شرن داس کی اس تجویز کا خیر مقدم کیا کہ محکمہ اغذیہ کو مشورہ دینے کے لئے ایک غیر سرکاری کمیٹی قائم کی جائے۔ موصوف نے وعدہ کیا کہ وہ دیکھیں گے کہ اس کے کیا امکانات ہیں۔ وہ اس کی کوشش کریں گے کہ محکمہ اغذیہ کو [illegible] ساتھ وہ ایسی تدابیر اختیار کریں گے [illegible] کوئی تامل نہ کریں گے کہ ایسے افراد یا اداروں کا تعاقب کیا جائے جو مصیبت زدہ عوام کے نقصان سے منافع کمانا چاہتے ہوں۔

موصوف نے حزب الاختلاف کے قائد کی [illegible] کی رسد میں اضافہ کے لئے اقدامات کی جائیں اور وزیر اغذیہ نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

صدر ایوان نے بتلایا کہ وزیر اغذیہ نے [illegible] کمشنر کے اس سوال سے بحث نہ کیا کہ مرکزی حکومت صوبائی حکومتوں سے صوبوں کی قیمتوں کے مقابلہ میں بلند شرح سے اناج اور غلہ کی خریداری کر رہی ہے۔

سر جوالا پرشاد سریواستوا نے جواب دیا کہ میجر جنرل ووڈ معتمد محکمہ اغذیہ آج سہ پہر میں مباحث کا جواب دیتے ہوئے اس قسم کے سوالات سے بحث کریں گے۔

[illegible] کمشنر نے مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ غذائی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے خصوصی اختیارات کام میں لائے۔ اور صوبائی حکومتوں کو مجبور کرے کہ وہ مرکزی حکومت کی غذائی پالیسی کے نظم و نسق میں مرکزی حکومت کے احکام کی تعمیل کریں۔ موصوف نے مطالبہ کیا کہ اجناس خوراک کی خریداری کے لئے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے۔

سر [illegible] نے حکومت ہند سے خواہش کی کہ عام راشن بندی کو فوری نافذ کیا جائے۔

آج سہ پہر میں کونسل آف اسٹیٹ میں میجر جنرل ووڈ نے مباحث ختم کرتے ہوئے کہا کہ حکومت ہند کی پالیسی یہ ہے کہ کنٹرول اور مزید کنٹرول قائم کیا جائے حتیٰ کہ مکمل راشن بندی قائم ہو جائے۔ حکومت کے اس لائحہ عمل کا اعلان کیا گیا اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس کے باوجود حکومت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنی پالیسی کا اعلان نہیں کرتی۔

میجر جنرل ووڈ نے یہ کہا کہ حکومت کو اتحاد عمل کی ضرورت ہے خواہ وہ کسی حلقہ سے کیوں نہ ہو۔ موصوف نے یہ خاکہ پیش کیا کہ جب ہندوستان کے تمام شہروں میں راشن بندی ہو جائے گی تو بمبئی کے نمونہ پر کمیٹیوں کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے گا تاکہ حکام مستقل طور پر مشورہ دیں۔ حکومت ان کمیٹیوں سے مرکزی مشاورتی پینل کے لئے نمائندوں کا انتخاب کرے گی۔ وہ [illegible] اس کی [illegible] نہیں کرنا چاہتے۔

(اے۔ پی)

مجلس قیام امن کی کانفرنس میں

نواب صدر اعظم بہادر کی افتتاحی تقریر

صدر نشین انجمن نواب کمال یار جنگ بہادر نے جن الفاظ میں میرا خیر مقدم فرمایا ہے ان کا میں تہ دل سے ممنون و متشکر ہوں۔ اور اس موقع پر یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب اس انجمن کے ارباب مقتدر نے مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تو میں نے اسے اس لئے بخوشی تمام قبول کیا کہ انجمن کے مقاصد نہ صرف اہم بلکہ ملک کے جملہ طبقات کے لئے مفید اور ضروری ہیں۔

حضرات!

آپ کی انجمن کا مقصد امن عامہ کو قائم رکھنا اور اس پر فتن اور پر آشوب زمانہ میں ملک اور اہل ملک کو ایسے تہور انگیز افعال سے باز رکھنا ہے جن کا افسوسناک مظاہرہ ہندوستان کے اطراف و اکناف سے ہمارے گوش زد ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر امن عامہ قائم نہ رہے تو نہ مزدور اطمینان سے اپنی روزی کما سکتا ہے اور نہ کوئی طبیب خلق اللہ کی خدمت بجا لا سکتا ہے نہ کوئی جاگیردار فراغت قلب سے زندگی بسر کر سکتا ہے اور نہ کوئی کاشتکار اس طرح کوئی اور دوسرا پروگرام بھی روبعمل نہیں آ سکتا جو ملک اور افراد ملک کے فائدہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر سوسائٹی کی ہر حیثیتی ترقی کے لئے امن عامہ کا قیام ہر حیثیت لازمی ہے اور یہی وہ ایک چیز ہے جو ایک مدنی الطبع انسان اور وحشی حیوان کے مابہ الامتیاز ہو سکتی ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ اس کوشش میں آپ کو مختلف جماعتوں اور افراد کا تعاون حاصل ہوا۔ امن عامہ کا تعلق رعایا کے ہر طبقہ اور ملک کی ہر جماعت سے ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے شرکت عام کی دعوت دی۔ جہاں دعوت اس طرح عام تھی وہاں شرکت بھی اسی طرح عام ہوئی اور یہ ملک کے عام جذبات اور احساسات کی صحت کی بین دلیل ہے کہ مختلف خیالات رکھنے والے جماعتوں نے امن عامہ کے قیام کے مشترک مقصد کو تقویت پہنچانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا۔

جہاں مملکت حیدرآباد اور رعایائے سرکار عالی کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ اس نے ہمیشہ باہمی صلح و آشتی کو جنگ اور تفرقہ پر ترجیح دی۔ وہاں اس پر فتن زمانہ میں جبکہ امن شکنی اور تخریبی افعال کی تیز و تند ہوائیں دنیا کو پریشان کر رہی ہیں یہ امر موجب طمانیت ہے کہ اس ریاست ابد مدت میں امن و امان قائم رہا۔ حضرات میں [illegible] انجمن کا مستقبل کے لئے [illegible] سمجھتا ہوں۔

حضرات! یہ ایک [illegible] ہے کہ مملکت کے [illegible] کی طرح قیام امن کے باب میں بھی راعی اور رعایا کے مقاصد ایک ہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ [illegible]

۴۔ مقاصد کا یہ اشتراک اس ریاست کی آئندہ ترقیوں، حکومت سرکار عالی کے جذبہ خدمت اور رعایا کی وفاداری اور فلاح و بہبود کا کفیل ثابت ہوگا۔ میں اس موقع پر آپ کے صدر نواب کمال یار جنگ بہادر اور جملہ عہدہ داران انجمن کی مخلصانہ مساعی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت سرکار عالی قیام امن کے سلسلہ میں آپ کی کوششوں کو استحسان کی نظر سے دیکھتی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ آپ نے اپنی تنظیم کو صرف اس بلدہ فرخندہ بنیاد ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ بیرون جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی ہیں۔ درحقیقت جب کبھی کسی ملک میں [illegible] کی صورت رونما ہوتی ہے تو [illegible]

بقیہ صفحہ نمبر [illegible]

جنگ کے بعد کیا ہوگا؟

بقیہ سلسلہ صفحہ اول

مزدوروں پر بھی ہے اب اگر کام ہڑتال اور لاک آؤٹ کے دن گئے ہر مزدور کو کام کرنا پڑے گا اور جس مزدوری کی شرح پر جس سے کام لیا جائے گا اسی مزدوری پر کرنا ہوگا۔ اسے کم پر برداشت نہیں کی جا سکتی اور اسے فوراً نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہے کہ مزدور اپنی مرضی سے کام چھوڑ سکتا ہے وہ اپنی مرضی سے ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا کام بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ اگرچہ جبری بھرتی ہندوستان میں ہنوز نہیں آئی ہے لیکن برسرپیکار ملکوں میں [illegible] سے لے کر [illegible] سال کی عمر کے ہر مرد کو فوج میں بھرتی ہونا پڑتا ہے اور فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد اپنے کو موت کے لئے ہر وقت تیار رکھنا ہوتا ہے۔

پھر ان دونوں ٹیکسوں کی زیادتی اور ان کا تنوع اس قدر بڑھ گیا ہے کہ دن بدن تجارتی بیوپاریوں منافع کی شرح کم ہوتی جا رہی ہے۔ انکم ٹیکس کا ریٹ کافی اونچا ہو گیا ہے اور پھر اس کے علاوہ دو سوپر ٹیکس Super Tax ہیں ایک ٹیکس حال میں زائد منافع کا ٹیکس Excess Profit Tax کے نام سے جاری ہوا ہے جس نے انفرادی بزنس کو اور بھی زیادہ دھکا پہنچایا ہے غرضیکہ اسی طرح اب ملک کی تجارت کے منافع کا ایک گرانقدر حصہ حکومت کے خزانے میں پہنچ جاتا ہے اور وہ دن دور نہیں کہ اس عمل سے چند سال کے اندر تمام نجی بیوپاریوں کا دیوالیہ نکل جائے۔

دنیا کے تمام صنعتی ممالک کے برسرپیکار ہونے کے سبب بین الاقوامی تجارت کا تو اب گویا خاتمہ ہی ہو گیا ہے۔ جو کچھ بین الاقوامی تجارت رہ بھی گئی ہے وہ تمام تر حکومت کے ہاتھوں یا کنٹرول میں ہے۔ کون کون سی چیزیں باہر سے منگائی جائیں جنہیں ملک سے منگائی جائیں کس راستے سے انہیں لایا جائے اور باربرداری کے لئے کون سے جہاز استعمال کئے جائیں یہ تمام باتیں اب حکومت کے طے کرنے کی ہیں۔ سرکاری اجازت نامہ (permit) کے بغیر کسی کو سپلائی نہیں مل سکتی اور ذرا بھی سرٹیفکیٹ (Priority certificate) کے بغیر ایک ویگن بھی گودی سے باہر نکل سکتی ہے۔ غرضیکہ اندرونی اور بیرونی تمام تجارت پر اسٹیٹ کا مکمل قبضہ ہے۔

اس جنگ کا سب سے زیادہ اثر کرنسی پر پڑا ہے جس کے سبب لازمی طور پر زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا ہے۔ کرنسی کا انتشار ہندوستان کے مقابلے میں کسی دوسرے ملک میں نہ ہوگا۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے شاید اس مسئلے پر غور کیا ہو کہ ملک کی مالی بدحالی کرنسی کے ڈانواں ڈول ہونے کے سبب ہے۔ پبلک اس پریشانی کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے کہ ۔۔ "چیزوں کی قیمت بڑھ گئی ہے" یعنی جنگ سے قبل جو ڈبل روٹی ایک آنے میں ملتی تھی وہ اب دو آنے میں ملتی ہے تو ظاہر ہے کہ لوگ اسے ڈبل روٹی کی گرانی ہی کہیں گے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ اقتصادیات کے ایک ماہر کے نزدیک یہ ڈبل روٹی کی گرانی نہیں بلکہ اکنی کی قوت خرید کا کم ہو جانا ہے۔

دراصل چیزوں کی قیمتیں نہیں بڑھی ہیں بلکہ روپیہ کی قوت خرید کم ہو گئی ہے۔ یعنی جو چیزیں ہم ایک روپیہ میں خرید لیتے تھے آج اس کے لئے دو روپیہ ادا کرنے پڑتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا روپیہ اب آٹھ آنے کا رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہر قسم تبادلے کا ذریعہ روپیہ ہی ہے تو اس کی ایک متعین قیمت ہونی چاہئے۔ لیکن حال میں روپیہ کی قیمت میں بے انتہا تخفیف ہو گئی ہے جس کا واحد سبب حکومت ہند کی کرنسی پالیسی ہے یعنی حکومت نے روپیہ بنانے کے ٹکسال کو استعمال کرنے کے بجائے پریس کی طرف رجوع کیا ہے۔ حکومت روزانہ بے تحاشا زیادہ سے زیادہ روپے چھاپتی جا رہی ہے جس کا اندازہ (گذشتہ مہینوں میں) ایک کروڑ روپیہ روزانہ کا اوسط ہے۔

جنگ سے قبل ہی ہندوستان کے بازار سے دھات کے سکے غائب ہونے لگے تھے اور جنگ شروع ہونے کے بعد اس سلسلے میں حکومت نے ۱۹۴۰ء میں متعدد قوانین پاس کئے۔ ایک قانون کے ذریعے چونی کی چاندی کو ۹۱۶ فیصدی سے ۵۰ فیصدی کر دیا گیا۔ پھر ڈیفنس آف انڈیا رولس کے ماتحت یہ حکم نافذ کیا گیا کہ کوئی شخص ذاتی اور کاروباری ضروریات سے فاضل سکے نہ اختیار کرے۔ ایک کرنسی آرڈیننس کے ذریعے ایک روپیہ کے کرنسی نوٹ جاری کئے گئے۔ واضح رہے کہ یہ نوٹ دستور کے خلاف گورنمنٹ آف انڈیا نے جاری کئے تھے اور اس حکم کے ساتھ کہ انہیں چاندی کے روپے کا بدل سمجھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص اسے چاندی کے روپے سے بدلنا چاہے گا تو حکومت نہ بدلے گی۔ اسی سال اٹھنی کی چاندی کو ½ حصے گھٹا کر نصف چاندی اور نصف گلٹ کی آمیزش کر دی گئی۔ اسی تناسب سے روپیہ کی چاندی کی مقدار کو بھی گھٹا دیا گیا اور ½ چاندی اور ½ حصہ (Alloy) کے بجائے نصف اور نصف گلٹ کر دیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں ایک قانون کے ذریعے نقل کو محفوظ کرنے کے لئے چاندی کی دوانیاں اکنیاں اور ادھنیاں نکالی گئیں۔ پھر اسی سال ۵۰ گرین (grain) کے بجائے ۳۰ گرین تانبے کا پیسہ بھی مارکٹ میں لایا گیا۔ اس سلسلے میں اسی سال (۱۹۴۲ء) ریزرو بنک کے ذریعہ دو دو روپے کے نوٹ جاری کئے گئے ہیں۔

کرنسی نوٹ کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس قدر رقم کے نوٹ جاری کئے جائیں اتنی رقم سونے چاندی اور سیکیوریٹی (Security) کی شکل میں ریزرو بنک میں موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ روپیہ ایک قوم کی دولت کا آئینہ دار ہے یعنی جس ملک کے پاس جتنی قیمت کے کرنسی نوٹ مارکٹ میں موجود ہوتے ہیں اتنی قیمت کا سونا چاندی وغیرہ اس کے پاس ہوتا ہے پھر یہ بھی لازمی ہے کہ جس ملک کے اندر جس قدر سامان ہو اسی قیمت کے نوٹ جاری کئے جائیں کیونکہ اگر اشیاء کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کر دئے جائیں گے تو اس کا وہی نتیجہ ہوگا جو اس وقت دیکھنے میں آ رہا ہے ـــــــ یعنی روپے کی قیمت کا گرنا اور چیزوں کی گرانی۔ غرضیکہ موجودہ کرنسی کی اس کمزوری کے سبب اس ملک میں ایک زبردست مصیبت آئی ہوئی ہے اور آئندہ جو اقتصادی خلفشار آنے والا ہے اس کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

یہ تو ہوئی ہندوستان کی اندرونی کیفیت اور ہمارا انفرادی نقصان۔ لیکن اس سلسلے میں ہم جو قومی نقصان اٹھا رہے ہیں اس کی تصویر اور بھی زیادہ بھیانک ہے۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح روپیہ کے آٹھ آنے کے سبب ہمارا ذاتی نقصان ہو رہا ہے اسی پر بین الاقوامی بازار میں ہمارا قومی نقصان بھی ہو رہا ہے۔ چونکہ اس وقت دنیا کے سکے کا کوئی معیار (Standard) نہیں رہ گیا ہے اس لئے ان دنوں ایک ملک دوسرے ملک سے زیادہ تر جنسوں ہی کا تبادلہ کیا کرتے ہیں۔ مثلاً امریکہ اور انگلینڈ کے درمیان اس وقت جو طریقہ رائج ہے وہ یہی ہے لیکن چونکہ ہمارا ملک انگلستان کا غلام ہے اس لئے ہمارے آٹھ آنے روپے کی جو قیمت مقرر کر دی گئی ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور وہ ایک حالت پر قائم ہے یعنی انگلستان اور امریکہ ہندوستان سے جس مقدار میں ایک روپیہ کی چیز خرید سکتے تھے آج وہ ایک روپیہ میں اتنی ہی چیز ہندوستان سے خرید رہے ہیں۔ حالانکہ اب روپیہ آٹھ آنے کے برابر ہے۔

کرنسی کے اس انتشار کو ذرا تفصیل سے اس لئے بیان کرنا پڑا کہ اگر اس کی درستی پر بروقت دھیان نہ دیا گیا تو جنگ کے بعد ہندوستان کی اقتصادیات میں غالباً سب سے زیادہ خلفشار اسی کمزور کرنسی کے سبب پیدا ہوگا۔ اور اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اس وقت بھی دیکھ لیجئے کہ ہر دوکاندار اور ہر پیشہ والے اپنے سکے چلا رہے ہیں۔ اس وقت لوگوں کی نظروں میں روپے کی وہ عظمت نہیں رہی ہے جو پہلے تھی اور اس کی جگہ لوگ اشیاء ہی کو اصل مالیت کی چیز سمجھ رہے ہیں۔ اگر حکومت ہند اسی رفتار سے نوٹوں سے بازار میں سیلاب لاتی رہی تو ممکن ہے کہ جنگ کے بعد دس روپے کے نوٹ کے بدلے ایک ڈبل روٹی بھی نہ مل سکے۔

یہیں یہ بھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح یہ ایک جنگ چھڑ گئی اس سے زیادہ اچانک طور پر یہ جنگ ختم بھی ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ دوران جنگ میں جو جتنے مصائب ہیں یہ مصائب جنگ کے اختتام پر دس گنا زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اس وقت ہندوستان میں تقریباً ستر ہزار ماہوار کے حساب سے لوگ فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں اور تخمینہ لگایا جا سکتا ہے کہ آرمی نیوی اور ایئر فورس میں ہندوستان سے بیس پچیس لاکھ نفوس اب تک بھرتی ہو چکے ہیں پھر اس زبردست فوج کے ساتھ ساتھ اس کے اسلحہ بارود وغیرہ کے سلسلے میں بھی

بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۱ پر

گداگری کے اسباب

بقیہ سلسلہ صفحہ (۷)

عریاں اور قابل رحم حالت میں کوڑا کرکٹ پر زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ ایسے افراد کی مثالیں بھی ہیں جو سماجی زندگی میں ان عدم اعتدال اور عدم توازن جنسی سے خوشگوار تعلقات نہیں قائم کر سکتے بعض جلدی امراض اور پھوڑے و پھنسیوں کی بدولت جو بچپن ہی سے ان کے لئے تکلیف دہ ہوتے ہیں بعد میں بدوضعی اور بدشکل پیدا کرنے سے اور بھی وبال جان ہو جاتے ہیں۔ مایوسیاں ایسے ناکام افراد کو اس نزین روز دنیا میں پناہ لینے پر مجبور کرتی ہے جہاں ان کو کچھ نکالا کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے افراد میں خاندان اور سماجی ادارت سے عدم التفات کی بدولت ایسے متنفر اور تخریبی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے ان کی فطرت بدل جاتی ہے۔ ایسی بدخصلتوں سے علاوہ گروہ کی قید و بند اور سہاروں سے آزاد ہو کر ایک لاابالی غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جہاں پہلے پہل محنت اور بھیک مشترک ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ بھیک اہمیت حاصل کر لیتی ہے۔ چنانچہ افیون و کوکین اور دیگر منشیات کا استعمال شروع کر دیتے ہیں تاکہ ان کی آوارہ گردی اور کوچہ بہ کوچہ گردش میں قوت حاصل ہو سکے۔ وہ مرنے کو جذبات ہو جاتے ہیں اور گداگری کی حالت میں بھی ایسے بچوں کی سرپرستی اختیار کر لیتے ہیں جو ایسے ہی گھٹنے مقامات پر ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے تمام دماغی امراض میں مبتلا افراد ہمدردی اور منظم علاج کے مستحق ہیں۔

ان کے علاوہ بعض ایسے لاعلاج گداگر ہوتے ہیں جن کو بیماریاں ایک عرصہ کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ ہندوستان کے چند شہر مثلاً کلکتہ و بمبئی میں ایسے لاعلاج اشخاص کے لئے انتظامات ہیں۔ عموماً شہروں میں ایسے لاعلاج مریضوں کو جنہیں یا تو دواخانوں میں شرکت سے جواب دیا گیا ہے یا وہ دواخانے سے نکال دئے گئے ہیں کتوں کی طرح گلیوں میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان کی کافی تعداد ہندوستان میں موجود ہے جو خود زندگی میں مرتے رہتے ہیں اور بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ معذور اور اندھے فقیروں میں ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ نقائص تسلاً بعد نسلاً چلتی رہتی ہیں مثلاً اندھے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور روز چکر میں ساتھ دیتے ہیں اور بوڑھی میں بھی ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہیں اور ایسی مثالیں کہ اندھوں نے آپس میں شادی کی اور ان کی اولاد جو ذہنی و جسمانی اعتبار سے کمزور تھی ہیں جو کبھی اندھے ہی سے بیاہ دی جاتی ہے۔ اس طرح گداگری بحیثیت پیشہ کے مستقل نوعیت اختیار کر لیتی ہیں۔ بعض تندرست لڑکے اور لڑکیاں خانگی ملازمت کرکے اپنے بچے اور معذور والدین کے سہارے کے باعث ہوتے ہیں

اور لکھنؤ میں قانون کے نفاذ سے اس قسم کے خاندانی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ خاندانی اور بار والدین میں جھگڑے بچوں کی آوارہ گردی کا باعث ہوتے ہیں۔ تجربہ کی بدولت ایسے بیوی گداگری اختیار کر لیتی ہے جب دیکھتی ہے کہ وہ شوہر کی مناسب کافی روزگار فراہم نہیں کر سکتی بہت سے گداگر معمولی چوریوں یا لڑکیوں کی خرید و فروخت اور عصمت ریزی کرانے میں ملوث پائے گئے ہیں۔ نفرت عموماً جنسی بیماریوں میں مبتلا مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لکھنؤ کے معذور خانہ سے فقیر کے متعلق کثیر تجربات فراہم ہوئے اور ہر ایک فقیر کی انفرادی آمدنی کا اوسط تقریباً چار ہے گویا لکھنؤ کی آبادی کے پیش نظر روزانہ ... ۵ روپے کے اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

گداگروں کی سب سے خطرناک شکل جذام میں مبتلا شدہ اشخاص سے پیدا ہوتی ہے۔ جذام اور نتیجۃً معذوری بدشکلی اور سماج میں قابل نفرین ہو جانا ہندوستان میں اضافۂ گداگری کا ایک اہم سبب ہے۔ جذامی فقراء بازاروں سنیماؤں اور تھیٹروں میں بھلے بندوں دوسرے اشخاص کو مبتلا کرتے پھرتے رہتے ہیں۔ بیت المعذورین ایسے جذامی مریضوں کو دوسروں کے ساتھ رکھنا مضر ہے لکھنؤ میں علیحدہ انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

گداگروں کی ایسی قسم اور ہے جن پر جبراً گداگری عائد کی جاتی ہے۔ یہ یتیم اور لاوارث و آوارہ گرد بچے ہیں یہ جب تجربہ کار فقیروں کی زیر نگرانی آجاتے ہیں تو ان کو ارادتاً بدشکل و معذور کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کی روزی حاصل ہو سکے گداگری کی دنیا میں دن دہاڑے بچوں کی تین درین اور مبادلہ عمل میں آتا ہے۔ جس قدر بدصورت اور قابل رحم بچہ ہو اسقدر اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اگر وہ راہگیروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کو اور تکلیف دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے درد انگیز نالوں میں رحم پیدا کرے۔ کئی پست گھرانوں میں اپنے بچوں کی فطری خرابیوں کو ذریعہ آمدنی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ایک سہولت بخش خاندانی پیشہ کے لحاظ سے گداگری کو سوائے فقیروں کے بچوں اور ان کی اولاد کے اور کون قبول کرے گا جن کی ساری تربیت اسی ماحول میں ہوتی ہے اور وہ افلاس و ناداری میں سے کر پیدا ہوتے ہیں۔ سوائے قانون کے کوئی

اور بچوں کی حفاظت اور ان کو گلی کوچوں میں بھیک مانگنے سے نہیں بچا سکتا۔ آخر میں ایسے مذہبی گداگر ہیں جن کا کافی دبدبہ مرعوب ہے اور وہ اپنی آرام کی زندگی کو معذور خانہ یا کسی ادارتی نگرانی پر ترجیح دیتے ہیں۔

چونکہ گداگری کے اسباب مختلف اور حالات جدا جدا ہیں اس لئے ادارتی امداد اور اس مسئلہ کا حل بھی ان حالات کے مطابق ہونا چاہئے۔ ایک بڑے شہر میں معذورین اور غیر متعدی امراض میں مبتلا اشخاص کے لئے معذور خانہ میں ایک حصہ مختص ہونا چاہئے۔ متعدی بیمار اور جذام والے گداگروں کے لئے ایک علیحدہ حصہ۔ کمسن فقراء اور بچوں کے لئے علیحدہ قیام پر رہائش اور تعلیم و تربیت کے انتظامات ہونا چاہئے اور ان کو خود کفیل بنانا چاہئے اور آخر میں ایک کارخانہ یا ایک زرعی نوآبادی قائم کرنا چاہئے جہاں توانا و تندرست افراد کام پر لگائے جائیں جو اب تک محض اپنی دبوکا دہی و دروغ گوئی سے مخفی اشخاص کو گمراہ کر رہے ہیں۔

غیر آمدنی بخش کھیتی باڑی افلاس بے روزگاری اور خاندان مشترکہ کے اختلافات ذات پات کی سختیاں ہندوستان میں گداگری کی وسعت کے اسباب ہیں اور یہ ملک اپنی غفلت سے لاکھوں معذوروں کو معیشت کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا ہے اور اس میں روک تھام نہ ہونے سے برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان لاچار و بیکس اور بے گھروں کے مسئلے کے حل کو بالکلیہ خانگی خیرات پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ انفرادی ہمدردی اور مالی امداد کو جس کی تلقین سماج اور مذہب بھی کرتے ہیں اس عام مسئلہ کے غیر یقینی حل کی اجازت نہیں دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ ادارات اور ایک تنظیم کے مقابلہ میں اس کی اصلاح اور انسداد کے لئے انفرادی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں اس انسانی ہمدردی اور ادارات کے ذریعہ سلوک سے غفلت انسانی زندگی سے عدم تو ہے اور ہندوستان میں انسانوں کی جو قدر و قیمت ہے اس میں لاپروائی سے اور بھی زیادتی کرتی ہے۔

(انڈین سوشیل ریفارمر)

جنگ کے بعد کیا ہوگا؟

بقیہ سلسلہ صفحہ (۹)

کم از کم دس لاکھ آدمی فوجی ملازمت میں یقینی ہیں۔ علاوہ ازیں بالواسطہ طریقہ پر جو لوگ جنگی کاموں میں لگے ہوئے ہیں یعنی مختلف قسم کے ٹھیکیداران کے مزدور، جنگی سامان کے کارخانوں میں کام کرنے والے لوگ، آر۔پی کے ملازمین وغیرہ وغیرہ کا تخمینہ لگایا جائے تو شاید ایک کروڑ کی تعداد بھی کم ہوگی۔

ظاہر ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی ان تمام کے تمام لوگوں کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور وہ دفعتاً بیکار ہو جائیں گے۔ ایک اتنی بڑی تعداد کی بیک وقت بیکاری کا ملک پر کیا اثر پڑے گا، اس بھیانک نظارے کا شاید اس وقت اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ فوجی سپاہیوں اور مزدوروں کی زیادہ تعداد کسان طبقے سے آتی ہے اور اسے جنگ کے ختم ہونے کے بعد اپنے گاؤں کو لوٹنا پڑے گا جہاں خود کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ ان کی زندگی کا معیار بلند ہو چکا ہے اور وہ اپنے کسان بھائیوں سے زیادہ خرچ، نفاست اور آرام کے عادی ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ گاؤں واپس جاکر دیہات کی اقتصادی زندگی میں کھپ سکیں گے قرین قیاس نہیں۔

جنگ عموماً ہر ملک کے اندر بہتری دبی ہوئی برائیوں کو ابھار دیتی ہے اور سماج کے ڈھانچے میں نئے نئے رخنے پیدا کر دیتی ہے۔ غرضیکہ جنگ سوسائٹی میں مختلف قسم کا خلا پیدا کر دیتی ہے۔ ان برائیوں کو رفع کرنا اور اس خلا کو پر کرنا ہی مدبروں کا اولین فرض ہوتا ہے لیکن جنگ کے اختتام پر بروقت یہ تمام غور و فکر کرلینا اور فوراً اس کے تدارک کی اسکیم بنالینا انسان کے حیطۂ قدرت سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں ابھی سے ماہرین کی کمیٹیاں اس امر پر غور و خوض کرنے بیٹھ گئی ہیں کہ "جنگ کے بعد کیا ہوگا؟" جنگ کے بعد تعمیر یقینی ہے لیکن اگر اس کے لئے قبل سے پلان تیار نہیں تو وقت پر بڑی دقت ہوگی۔ جنگ کے بعد ہر ایک کو اس کی سابقہ (قبل از جنگ) پوزیشن پر آسانی سے پہنچا دینا کوئی آسان کام نہیں۔

انگلستان میں یا ان ملکوں میں جو انگلستان کی نقل کرتے ہیں اگرچہ اس کام کے لئے کمیٹیاں بنادی گئی ہیں لیکن ان ممالک میں بہت کم لوگوں نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا ہے چنانچہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی کمیٹی تشکیل کی گئی ہے لیکن یہاں جس طرح اور کام رسمی طور پہ کئے جاتے ہیں اور اسراف و نفاست سے ہوا کرتے ہیں اسی طرح یہ کام بھی خانہ پری کے انداز میں ہو رہا ہے لیکن بہرحال اگر یہ کام پوری تندہی اور توجہ سے بھی کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعمیر مابعد از جنگ کے لئے جو اسکیم ہے کیا وہ سامراج کے حق میں ہوگی یا ہندوستان کے عوام کے حق میں؟

ہاں یہ صحیح نہیں ہے کہ ہمیں اس قدر مایوس ہو جانا چاہئے کہ اس وقت تک ہندوستان میں کوئی قومی حکومت بنے گی ہی نہیں اور تعمیر بعد از جنگ کا کام بھی موجودہ حکومت ہی کو انجام دینا پڑے گا جو بیرونی اثرات کے تحت اور غیر ملکی مفاد کے پیش نظر چل رہی ہے لیکن پھر بھی ان اداروں اور لیڈروں کو جو قوم پرستی کے دعویدار ہیں اس طرف سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہو جانا چاہئے۔

اور پھر ہمیں صرف اتنا ہی نہیں سوچنا ہے کہ جنگ کے بعد جنگجو لوگوں کو کس طرح ان کی سابق جگہ پر واپس پہنچا دینا اور مطمئن کر دینا ہے بلکہ یہ بھی سوچنا ہے کہ پٹرول جیسی قومی ضرورت کی چیز برما آئیل کمپنی کے ہاتھوں میں کیوں چھوڑ دیں۔ کوئلہ اور لوہا جیسی صنعت چند نفع خوروں کے ہاتھوں میں کیوں رہے۔

پھر ٹکسٹائل صنعت جیسی اور جوٹ جیسی صنعت جناب بکیسر یا، والیا سنگھانیا اور حاجی داؤد صاحب کے ذاتی دسترس کے لئے کیوں وقف رہے۔ غرضیکہ درمیانی نفع خوروں اور دلالوں کے انفرادی مفاد کی حکمت عملی اور قوم کے مفاد کو بروئے کار لانے کا جو عمل اس وقت شروع ہوا ہے اسے ایک قومی حکومت کے ماتحت اس کے منطقی نتیجہ تک کیوں نہ پہنچایا جائے اور ملک برباد کن مقابلے کی تجارت سے نجات پائے۔ (نئی زندگی)

کیوبک کی خبریں

مسٹر روزویلٹ کے معتمد نے کل بتایا کہ کیوبک کے مباحث شروع ہونے سے پہلے مسٹر چرچل اور مسٹر روزویلٹ ایک مشترکہ صحافتی کانفرنس کریں گے۔ یہ مباحث غالباً اگلے ہفتہ تک ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد مسٹر روزویلٹ امریکہ واپس جائیں گے۔ جلسہ سے پہلے مسٹر چرچل کے ساتھ اوٹاوا جائیں گے۔

توقع ہے کہ صدر روزویلٹ، وزیر اعظم چرچل اور وزیر خارجہ ایڈن امریکہ کے وزیر مسٹر کارڈل ہل کی آمد کا انتظار کئے بغیر باقاعدہ سیاسی گفتگو شروع کر دیں گے۔ مسٹر ایڈن بعض مشترکہ مسائل پر جو زیر بحث آئیں گے، روسی حکومت سے بھی بات چیت کریں گے اور ان کی رپورٹ یورپ کے سیاسی مسائل پر غور کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہوگی۔

یہ بھی توقع ہے کہ فرانسیسی قومی نجات کی کمیٹی کو تسلیم کرنے کے متعلق اگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے تو اب عنقریب ہو جائے گا۔ ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ اس بات کی پیشین گوئی آسانی سے کی جاسکتی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کی حکومتیں اسے تسلیم کرلیں گی لیکن اس کے ساتھ ایک بڑی شرط یہ رکھی جائے گی کہ اسے فرانس کے لئے نہیں تسلیم کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں اس امر کو صاف کر دیا جائے گا کہ اتحادی فوجوں کے فرانس میں داخل ہونے ہی اس کمیٹی کے اختیارات ختم ہو جائیں گے اور یہ بات

حیدر پریس ۔ ۔ ۔ میں باہتمام سید حسن دفتر حکومت سابق توپ کے شائع ہوا۔